میرے لیے کہو تم
شیریں گل رانا

شاعرہ: شیریں گل رانا
سرورق کمپوزنگ: محبوب اقبال
سالِ اشاعت: جون ۲۰۱۱
قیمت: 250 روپیہ
ناشر: ادب سرائے پبلی کیشنز
مطبع: پہچان پبلی کیشنز

میرے لیے کہو تم

شیریں گُلؔ رانا

انتساب

اُن تمام درد آشنا لوگوں کے نام جو دُکھ اور کرب سے گزرتے
ہوئے اپنا مستقبل روشن اور تابناک بنانے کی جدوجہد میں
مصروف ہیں ۔۔۔

فہرست

پیش لفظ

پھول کی مٹھاس

خوشبوئے گُل کے احساس، اُس کی لطافت اور اُس سے حاصل کردہ فرحت کا تعلق براہِ راست روح سے ہے کیونکہ خوشبو کی مہک کا لطیف پن روح ہی محسوس کر سکتی ہے اور پھر اس عمل سے حاصل کردہ بالیدگی ہمارے مزاج کو تروتازہ کر دیتی ہے اور ہم اس کے سحر میں کھو جاتے ہیں۔ اس کا وجود بظاہر معدوم ہے مگر اس سے شناسائی کی بدولت، اس کی انتہائی نفیس کیفیات اور محسوسات سے ہم جب چاہیں لطف اندوز ہو سکتے ہیں کیونکہ ہماری لطافت طبع اسے خوب پہچانتی ہے۔ بظاہر اس کا وجود نہیں لیکن اگر ایسا ممکن ہو اور اس وجود کو قوت گویائی بھی مل جائے تو ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ خوشبو کا لہجہ اور ذائقہ صرف مٹھاس ہی کا حامل ہوگا۔ اسی لیے تو شیرینی کلام کا دوسرا نام خوشبو ہے۔

خوشبو یقیناً پھولوں کی گفتگو ہے جس کا رشتہ ہماری محسوسات کی دنیا سے جُڑا ہوا ہے۔ یہ پھول پتیوں کی ایسی مٹھاس ہے جو نہ صرف ہم سے ہم کلام ہوتی ہے بلکہ اس کی تاثیر ہماری جان میں رچ بس جاتی ہے۔ آپ کے زیرِ مطالعہ ''میرے لیے کہو تم'' کا مسودہ پڑھتے ہوئے میں اس کی شیرینی کلام سے محظوظ ہوا ہوں لیکن جب بھی یہی کلام بازبان شاعرہ سُنا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کی مٹھاس تخلیق کار کے اپنے لہجے میں گھل کر دوبالا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا پھول کے لہجے کی میٹھی خوشبو شیریں گُل کے کلام اور اُن کی شخصیت کا حصہ ہے تو

میں روایتاً اُن کے چند اشعار کا انتخاب کر کے اُن پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس فرض کے لیے قارئین کی پسند اور اظہار خیال کو ہی ترجیح دوں گا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ دل کی مضبوط دیواریں جب گرنے لگتی ہیں تو اُن کی اڑتی ہوئی خاک صرف اُسے نظر آتی ہے جو دل کی آنکھ رکھتا ہے۔ دیواریں چٹخنے کی آوازیں اور گھٹی چیخیں بھی صرف دل کے حساس کان ہی سن سکتے ہیں۔ جو کچھ بھی دکھائی اور سنائی دیتا ہے۔ انہیں الفاظ اور آواز کی شکل بھی دل کے ہونٹ اور دل کی زبان ہی دے سکتی ہے۔

''میرے لیے کہو تم'' کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے معلوم ہوا کہ سننے، لکھنے اور کہنے کے لیے جس قوتِ احساس کی ضرورت ہوتی ہے اُسے درد کی روشنائی کہتے ہیں۔ جسے شیریں گل صاحبہ حاصل کر چکی ہیں۔ اسی لیے اُن کے کلام میں جذبات اور کیفیات کی سچی روشنی دکھائی دیتی ہے جو دل کی دیواروں کے باہر پھیلے ہوئے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دیتی ہے۔

آپ ایک کہنہ مشق شاعرہ ہیں میں نے مختلف محافل اور مشاعروں میں بھی انہیں سنا ہے۔ ہمیشہ اُن کی خوبصورت گفتگو کو لہجے کی مٹھاس سے مزین اور ان کی شاعری کو احساسات کی خوشبو سے مہکتا دیکھا ہے۔ نسائی جذبات بھی تخلیقی اقدار میں ڈھل کر جگمگاتے نظر آتے ہیں کیونکہ اثبات ذات کا وسیلہ لیے اُن کی ہم کلامی سلیقہ اور نفاست کے ساتھ اُن کی شخصیت کا خاصہ نظر آتی ہے۔

آج معیاری ادبی تخلیقات کم کم میسر ہیں مگر اُن کی شاعری نے ثابت کیا ہے کہ فنی محاسن اور پختگی اپنی حقانیت لیے اپنی اہمیت کو ثابت کرنا جانتی ہے۔ جو

ندرتِ بیان اُنہیں حاصل ہے، دیکھنا یہ ہے کہ جس سے کچھ کہنے کی التماس اتنے بھرپور انداز میں کی گئی ہے وہ اب ان کیفیات کا جواب کس انداز سے دیتا ہے میں تو صرف قارئین کرام سے یہ استدعا کر سکتا ہوں کہ ''میرے لیے کہو تم'' کے جواب میں انہیں ضرور کچھ نہ کچھ کہنا چاہیئے۔ مجھے تو یقین ہے کہ اُن کی آوازوں کی بازگشت آنے والے وقت میں ضرور سنائی دے گی۔

زاہد شمسی

۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

اپنی بات

زندگی کے چھوٹے چھوٹے انجام کردہ کام مل کر زندگی کی عمارت کو مکمل کرتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں انسان ماہ و سال کے پودوں سے کلیاں چُن چُن کر ہار بناتا جاتا ہے۔۔۔۔ میں نے بھی گھر داری کے ساتھ ساتھ ایم۔اے، بی۔ایڈ تک تعلیم پائی اور کئی کورسز کئے، گزشتہ (18) اٹھارہ سالوں سے تعلیم کے شعبہ سے وابستہ ہوں۔۔۔ لکھنے لکھانے اور شعروشاعری کا کام بھی پچھلے تیس سالوں سے جاری ہے۔

2002ء میں میرا پہلا شعری مجموعہ ''میرے سنگ چلو'' اور 2009 میں دوسرا ''میرے اپنے یہ سنو'' شائع ہوئے۔ اخبارات و رسائل اور شعرائے کرام نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جو باعث تقویت ہوا۔

اپریل 2010ء سے محترمہ شہناز مزمل صاحبہ (ادب سرائے کی چیئر پرسن) کے کہنے پر ادب سرائے کے ماہانہ اجلاسوں میں شرکت کر رہی ہوں۔ یہیں سے 'اکیڈمی آف لیٹرز، چوپال، بزم روشن پاکستان، اعجازِ ادب اور فیض گھر، جانے کے مواقع ملے۔

کنیڈین ہینڈِ سوارس، نے میری پہلی دو کتابوں سے منتخب کلام گایا ہے اور اُن میں سے دو کو کنیڈین ہیریٹیج (Candian Heritage) کا حصہ بننے کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہے۔۔۔ شکر اُس ذات باری کا جس نے مجھ سے وہ کام کروائے جو میں سوچ بھی نہ سکتی تھی۔

طبیعت شعریت کی طرف مائل رہی۔۔۔۔ پچھلی دو کتابوں کی طرح تیسری بھی بچپن میں ہی مکمل ہوئی۔ادبی اور شعری ذوق رکھنے والوں کے سامنے ہے۔میرے لیے آپ کی رائے بہت محترم ہے۔میری درخواست ہے''میرے لیے کہو تم''

اِس کتاب کی تیاری میں میں خصوصاً ڈاکٹر مسز شہناز مزمل صاحبہ، جناب زاہد شمسی صاحب، جناب شاہین بھٹی اور ارشد شاہین صاحب کی دل سے ممنون ہوں جنھوں نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ جہاں ضرورت پڑی اپنے تعاون اور گراں قدر مشوروں سے بھی نوازا۔اللہ ان پر اپنے لطف وعنایت کا سایہ رکھے۔آمین

شیریں گُل رانا

جوہر ٹاؤن۔لاہور

قطعہ

اللہ کے نام

میں جو بھولی تو مجھے یاد دلایا اُس نے
راستہ بھول گئی میں تو دکھایا اُس نے
میرا کمزور سفینہ تھا مخالف تھی ہوا
ڈوبنے کو تھی مجھے پار لگایا اُس نے

شبیروین گُل رانا

شبیر حسین گل دانا

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

میں مدینے کا جو ادنیٰ سا ستارا ہوتی
پھر تو ممکن تھا کہ میں خود کو گوارا ہوتی

ایک حسرت ہے میرے دل میں ازل سے آقاؐ
صورت زیدؓ تری آنکھ کا تارا ہوتی

میری آنکھوں کو جو روضے کا وہ روزن کرتا
میں سراپا تیرے روضے کا نظارا ہوتی

دور کیوں اتنا در پاک سے رکھا ہے مجھے
کاش میں تجھ کو مدینے میں گوارا ہوتی

آپ کا مجھ کو میسر جو سہارا ہوتا
بے سہاروں کا زمانے میں سہارا ہوتی

عرش پر جو تھے پڑے پاؤں میں مَل مَل دھوتی
مسجدِ نبوی میں چلتا سا فوارہ ہوتی

ایسا ہونے پہ مجھے ناز نہ ہوتا کیونکر
انؐ کے ابرو کا اگر گُلؔ میں اشارہ ہوتی

شبیر حسین گُل دانا

دُعا

الٰہی مجھے ایک سورج بنا دے
جو سورج نہیں اک دیا ہی بنا دے
اندھیرے کو جو دُور کردے ذرا سا

الٰہی مجھے ایک چندا بنا دے
جو چندا نہیں ایک تارا بنا دے
کہ منزل کی جانب اشارہ جو کردے

الٰہی مجھے ایک بادل بنا دے
جو بادل نہیں ایک قطرہ بنا دے
وہ قطرہ جو تحریک کا اک سبب ہو

الٰہی مجھے ایک پربت بنا دے
جو پربت نہیں ایک پتھر بنا دے
کہ تھک کر جو آئے تو آرام کرلے

الٰہی مجھے اک چمن ہی بنا دے

چمن جو نہیں ایک گُل ہی بنا دے

کہ خوشبو کا جھونکا ہی اک بن سکوں میں

الٰہی مجھے سبز خطہ بنا دے

جو خطہ نہیں ہے تو کھلیان کر دے

کہ بھوکوں کے پیٹوں کو روٹی سے بھر دوں

غزل

مُسکرانا بڑا ہی مشکل تھا
اُس کا آنا بڑا ہی مشکل تھا

وہ جو خُورشید تھا ہتھیلی پر
اُس کو پانا بڑا ہی مشکل تھا

ریزہ ریزہ سمیٹ کر پھر سے
ٹوٹ جانا بڑا ہی مشکل تھا

پُھول مہکے تھے ہر طرف لیکن
خُوشبو لانا بڑا ہی مشکل تھا

گُل کے بدلے ہمیشہ خار مِلے
وہ زمانہ بڑا ہی مشکل تھا

غزل

جو میرے اپنے تھے میرے حبیب تھے ہی نہیں
جنھیں قریب میں سمجھی قریب تھے ہی نہیں

میں سوچتی ہوں تعلّق کو کیا کہوں آخر
ہوئی نہ دوستی جن سے رقیب تھے ہی نہیں

پڑے جو آگ پہ پانی بھڑاس اُٹھتی ہے
پڑے جو پاؤں میں چھالے عجیب تھے ہی نہیں

غم زمانہ کے بڑھتے ہوئے مسائل میں
ہمیں جو آسرا دیتے نجیب تھے ہی نہیں

اگرچہ وقت کے صحرا کو پار کر ڈالا
بجھی نہ پیاس کہ ایسے نصیب تھے ہی نہیں

بَھلا میں کیسے اندھیرے کا اعتبار کروں
جو گھر کے آئے تھے بادل مہیب تھے ہی نہیں

پکارا گُل نے جو تنہائیوں سے گھبرا کر
سُنی گئی نہ صدائیں مجیب تھے ہی نہیں

غزل

تلاطم رونما ہے دل کے اندر
یہ آنکھیں ٹوٹ کر برسیں نہ برسیں

مری آنکھوں کی بہتی کشتیاں بھی
کِنارے کو کبھی ترسیں نہ ترسیں

زُباں ہے چُپ سماعت کھو گئی ہے
یہ بادل اب کبھی گرجیں نہ گرجیں

گھروندا بجلیوں نے پھونک ڈالا
یہ پربت پھر کبھی لرزیں نہ لرزیں

میں صحرا کا بگولہ بن گئی ہوں
بلا سے قافلے گزریں نہ گزریں

غزل

کتنا مُشکل ہے ہر اک بات کا آساں ہونا
کچھ بڑی بات نہیں سوچ کے حیراں ہونا

خواہشیں اتنی کہ بہتا ہوا دریا جیسے
کون دیکھے یُوں دلِ زار کا ارماں ہونا

مجھ کو پوچھو کہ تمنا کی حقیقت کیا ہے
میں نے دیکھا ہے دلِ زار کا ویراں ہونا

غزل

جو تجھ سے بچھڑی تو دھڑکن کا شور تھم ہی گیا
مجھے کچھ ایسے لگا وقت جیسے جم ہی گیا

جہاں میں آیا ہے جو بھی وہ آیا روتا ہوا
جہاں سے جو بھی گیا ہے وہ چشم نم ہی گیا

کبھی تھے کاکُل پیچاں نشانِ حسن بنے
ہوئے ہیں بال جو سیدھے تو پیچ وخم ہی گیا

کہا ہے میں نے کیا میں نے اب یہ کہتے ہیں
جو احترام کا ہوتا تھا لفظ 'ہم' ہی گیا

پرانے لوگوں نے کیا خُوب سچ کہا ہے گُلؔ
جو دل کے شیشے میں آیا وہ بال کم ہی گیا

کبھی آنکھیں نہیں رہتیں
کبھی آنسو نہیں رہتے

سبھی وہ دل پہ گرتے ہیں
وہ آنسو جو نہیں بہتے

میں ٹوٹوں گی چھناکے سے
نہیں سہنا نہیں سہتے

بجھے گی تشنگی کیسے
کہ دریا اب نہیں بہتے

جو سُننا گُل نے چاہا تھا
کِسی صورت نہیں کہتے

مری آنکھوں میں رہتے ہو نہ تم جانے نہ تُم سمجھے
کہ دریا بن کے بہتے ہو نہ تم جانے نہ تُم سمجھے

کہاں چھوڑا مرا دامن، کہاں پکڑا میرا آنچل
ہمیشہ چُپ ہی رہتے ہو نہ تم جانے نہ تُم سمجھے

یہی کیوں سننا تم چاہو مجھے تم سے محبت ہے
مرا احساں کیوں سہتے ہو نہ تم جانے نہ تُم سمجھے

غزل

ریت سے گھر لبِ ساحل جو بنایا ہوگا
موجِ دریا نے بہت شور مچایا ہوگا

اُس کو توفیق کہاں اُترے کبھی دھرتی پر
چاند کو لاکھ اگر تم نے منایا ہوگا

جِس کو گزرے تھے بنانے میں زمانے وہ محل
بے وفا وقت نے اک پَل میں وہ ڈھایا ہوگا

یہ جو ہر شخص پہ ہوتا ہے گُماں اُس کا تجھے
وہ بُری طرح ترے دل میں سمایا ہوگا

آرزو یہ تھی کہ اک جان میں دو قالب ہوں
فاصلہ اُس نے مگر اور بڑھایا ہوگا

دل نے سینے سے اُچھل کر اُسے دیکھا ہر بار
وہ کبھی سامنے گُل تیرے جو آیا ہوگا

غزل

کھو گئی دنیا میں وہ ذات نہ ہم تک پہنچی
بٹ گئی لوگوں میں سوغات نہ ہم تک پہنچی

ٹُوٹ کر ابر تو برسے ہیں ہمیشہ لیکن
عمر بھر کوئی بھی برسات نہ ہم تک پہنچی

ڈھول تاشے بھی تھے کھانا بھی تھا باراتی بھی
منتظر جس کے تھے بارات نہ ہم تک پہنچی

وہ جو الفاظ فقط اپنے لیے زیبا تھے
ایسے لفظوں کی کوئی بات نہ ہم تک پہنچی

یہ بھی سچ ہے کہ سدا ہارنے والوں میں رہے
یہ بھی سچ ہے کہ کبھی مات نہ ہم تک پہنچی

غزل

وہ جو میرا ایک گُناہ تھا مجھے اُس سے بڑھ کے سزا ملی
اُسی اک سزا کا اثر ہے یہ کہ مجھے کہیں سے جزا ملی

کہاں روز میں نے گِلہ کیا جو ملا نصیب اُسے کہا
تیری خُو اگرچہ ہے بھولنا مجھے بھی کہیں سے وفا مِلی

مجھے ہیں گرانے کی سازشیں مرا فخر اوجِ کمال تُو
وہ خوش بیانیاں ہیں تری مجھے بھی کہیں سے ثناء ملی

وہی رنج وغم کے جواب میں کئی ڈھونڈتے تھے جواز بھی
گو کہ دل کی تہہ کو الگ کِیا نہ کہیں سے مجھ کو جفا ملی

میری پتّیاں کبھی توڑ دیں میری کھاد تو وہی بن گئیں
تیرے اِس بگاڑ کے شوق سے ہے مجھے حسنِ فن کی ادا مِلی

وہ جو گزرے شعلوں سے آگ کے وہ تپش ہے سانسوں میں آج تک
تیرے ہم سفر تو رہے مگر ہمیں تربیّت ہی جُدا ملی

پوری شدتوں پورے جذبوں سے اُسے گُلؔ پکارا جو ایک دن
لوٹی ٹکرا کے وہ پہاڑ سے مجھے زخمی زخمی صدا مِلی

غزل

پیار کو داغدار کرتے ہیں
ہم کو وہ شرمسار کرتے ہیں

سُرخ چنگاریاں کئی لے کر
وہ ہمیں کامدار کرتے ہیں

پھینک کر کچھ شہاب ثاقب وہ
جلنے کا انتظار کرتے ہیں

سانس لیتے وہ دیکھ کر مجھ کو
دامنِ دل کو تار کرتے ہیں

رنجشیں پالتے رہے ہیں گُل
اور گِلے بھی ہزار کرتے ہیں

غزل

کسی طور بھی چین مِلتا نہیں ہے
کہ موسم میں جیسے اُبال آ گیا ہے

مری آنکھ ایسے نہیں دوست بھیگی
گذشتہ کا کوئی خیال آ گیا ہے

ہے سناٹا ہر سُو پرندے ہیں سہمے
یہ کیا جنگلوں میں شَلال آ گیا ہے

وہ محسوس کرنے لگے ہیں مرا غم
کہ چہرے پہ اُن کے مَلال آ گیا ہے

نہ اُٹھنے دیا گُل نے دُودِ فغاں کو
جَلانے میں خود کو کمال آ گیا ہے

غزل

مسکرا کر جو بات کرتے ہیں
کوہ تہمت وہ خود پہ دھرتے ہیں

ہار دیتے ہیں جی کو جو اپنے
اپنے ہاتھوں سے آپ مرتے ہیں

اپنی ناکامیاں نہ روگ بنا
دن بھی راتوں کے بعد چڑھتے ہیں

دُکھ کا ہر سنگ ٹوٹنا ہے گُلؔ
ٹھنڈی آہیں بھلا کیوں بھرتے ہیں

قطعہ

دوست کہتے ہو پر لگے تو نہیں
اور پتھر ابھی بچے تو نہیں
ہار تیروں کے لے کے آ پہنچے
تخت پر ہم ابھی سجے تو نہیں

غزل

چھپا کے اپنی ہنسی میں ہر ایک رنج و الم
بہت قرینے سے رکھا تھا میں نے اپنا بھرم

نہ ظالموں کی کمی ہے نہ صابروں کی کمی
کبھی لہو کبھی دھڑکن ہوا ہے میرا قلم

مری ہی ذات تھی میدانِ کارزار سو میں
خود اپنی فوج تھی دشمن تھی اور اپنا علم

جہاں بھی روکا رکی پھر نہ پوچھا ایسا کیوں
بندھی یُوں پاؤں میں زنجیر اُٹھ سکے نہ قدم

یہاں کی بات ہے ٹالو نہ حشر پہ اِس کو
کہو کہ مجھ کو محبت ہے تجھ سے تیری قسم!

نصیب بنتا ہے اک بار روز بنتا نہیں
یہ چاہے ایک جنم ہو چاہے سات جنم

غمِ زمانہ جو ہوتا تو ہنس کے سہہ لیتی
تمہارا غم تو ہے بھاری ہر ایک غم سے صنم

غزل

کوئی بہار کا لمحہ نفس میں پایا نہیں
یہ میری جاں تھی کہ کیکر کا کوئی سایہ نہیں

غضب کڑک سے بھرے ابر چیختے ہی رہے
جو مہربان تھا ساون اِدھر وہ آیا نہیں

بہت ہی کوششیں دنیا نے کیں کُھلے مُٹھی
دیا تھا تُونے جو بادام اُس نے کھایا نہیں

ہزار تم نے میری جان سنگ باری کی
تمہارے پیار کو دل سے مگر گھٹایا نہیں

ہر ایک تیر ستم کو میں کھیل ہی سمجھی
تُو بے وفا ہے یہ پھر بھی یقین آیا نہیں

کچھ ایسی نقش ہوئی آنکھ میں تری صُورت
دل و نظر کو تیرے بعد کچھ بھی بھایا نہیں

یقین نہ آئے تو سینے کو چیر کر دیکھو
لہو میں تیرے سِوا کوئی بھی سمایا نہیں

طواف کرتی رہی گُل حصار بے در کا
یہ اور بات انا کے قلعہ کو ڈھایا نہیں

غزل

پار کرنا تھا سمندر کشتیوں کے زور سے
پر عجب تقدیر تھی دیمک زدہ تختے رہے

اِس سے پہلے بھی گری ہیں اُن پہ لاکھوں بجلیاں
اس سے پہلے بھی محبت کے نگر بستے رہے

سینکڑوں طوفاں ہزاروں آندھیاں آئیں مگر
مہکے مہکے زندگی کے پھر بھی سب رستے رہے

کیا غضب ہے سب سے افضل ہو کے بھی اس دہر میں
آب و گِل مہنگے رہے انساں مگر سستے رہے

زندگی کا لُوٹ کر میلہ جہاں چلتا بنا
جیت تھی جن کا مقدر وہ کمر کستے رہے

ہر قدم پر راہِ الفت میں جلایا دھوپ نے
آبلے پھٹتے رہے ہم گُل مگر ہنستے رہے

غزل

آگ تھی بدن میں جو جان و دل میں بھڑکی ہے
اک عجب سی بجلی ہے جو کہ سر پہ کڑکی ہے

زخم وہ لگے مجھ کو درد وہ ملے مجھ کو
مثل آج بسمل کے میری جان پھڑکی ہے

اشک اشک عارض ہیں سُوجی سُوجی آنکھیں ہیں
موت کی طرح دھڑکن دل میں آج دھڑکی ہے

ہر سِتم پہ ہنستی ہے اس لیے ہمیشہ وہ
کیا جہاں سے ٹکرائے گُل تو ایک لڑکی ہے

غزل

سراپا رستے میں تم انتظار تھے کہ نہیں
میری جدائی میں تم بیقرار تھے کہ نہیں

مرے بغیر کسی نے اماں میں تجھ کو لیا
ہزار بانہوں کے گرچہ حصار تھے کہ نہیں

ہر ایک شخص تھا اپنی قطار کے اندر
تمہی بتاؤ کہ تم بے قطار تھے کہ نہیں

جو مل گئے ہو تو سچ سچ مجھے بتا دو نا
بچھڑ کے مجھ سے گِلے بے شمار تھے کہ نہیں

وہ وقت یاد ہے جب ناؤ میں اکیلے تھے
کِنارا پا کے بھی تم بے کنار تھے کہ نہیں

بہت اُداس تھے غنچے تو گُل تھے افسردہ
بہار ہوتے ہوئے بے بہار تھے کہ نہیں

غزل

سدا کی خشک آنکھیں ہیں اِنہیں ایسا ہی رہنے دو
کہ تیری آنکھ میں آنسو ذرا اچھے نہیں لگتے

کہا جاتا ہے کچے گھر کو بارش نے گرایا ہے
زمیں میں وہ بھی مِل جاتے ہیں جو کچے نہیں لگتے

نہیں چہرہ ذرا مِلتا تمہارا اپنے لفظوں سے
کہیں پہ اک کمی سی ہے کہ تم پکے نہیں لگتے

جو تم گھبرائے بیٹھے ہو جو ماتھے پر پسینہ ہے
یہی حالت بتاتی ہے کہ تم سچے نہیں لگتے

کِسی کی بات سُن کر یوں بدل جاؤ گے حیرت ہے
اگرچہ یہ تاثر تھا کہ تم بچے نہیں لگتے

ضروری تو نہیں ہنگامہ برپا ہی رہے اے گُل
کہ بجتے ڈھول بھی اکثر ہمیں اچھے نہیں لگتے

غزل

چاہے جہاں رہو تُم
میرے لِئے جیو تُم

لفظوں کی چُن کے مالا
اشعار میں ڈھلو تُم

جیسے بھی اب ہو ممکن
میری طلب کرو تم

میں ہو کے تیری آئی
تنہا نہ یوں رہو تُم

مضبوط سا قلعہ ہو
مٹی نہ اب بنو تُم

جو بھی کرو تمنّا
میرے لِئے کرو تُم

تُم جو بھی کہنا چاہو
میرے لِئے کہو تُم

غزل

اب کوئی ایسا نگر آباد ہونا چاہیئے
آدمی کو فکر سے آزاد ہونا چاہیئے

کیوں ہمیشہ سر جُھکے کیوں ظلم ہو برپا سدا
ظلم پر بھی اب کوئی افتاد ہونا چاہیئے

عشق بربادی سراسر روگ ہے جی جان کا
کیوں ہمیشہ کے لِئے برباد ہونا چاہیئے

عشق سچا ہے مگر یہ شرط ہے اے جوئے شیر
کوئی شیرؔیں کے لیے فرہاد ہونا چاہیئے

غزل

مجھ سے ہو بدگمان یہ اچھا نہیں کیا
جلتا رہا ہے تیرے لیے عمر بھر دیا

آنکھوں میں اشک برف کی صُورت جمے رہے
آئے نہ حرف تجھ پہ لبوں کو بھی سی لیا

اُن کی طرف سے حکم تھا سو ہم نے عمر بھر
توڑا نہ روزہ ضبط کا بس خونِ دل پیا

مجھ کو کسی بھی چیز کا جب ہوش کچھ نہ تھا
میں نے تو اُس گھڑی بھی ترا نام ہی لیا

جو کچھ بھی تھا حیات کے دامن میں گُل نے دوست
تم پر نثار کر دیا سب تم کو دے دیا

غزل

مجھ سے ہو بدگمان یہ اچھا نہیں کیا
جلتا رہا ہے تیرے لیے عمر بھر دیا

آنکھوں میں اشک برف کی صُورت جمے رہے
آئے نہ حرف تجھ پہ لبوں کو بھی سی لیا

اُن کی طرف سے حکم تھا سو ہم نے عمر بھر
توڑا نہ روزہ ضبط کا بس خونِ دل پیا

مجھ کو کسی بھی چیز کا جب ہوش کچھ نہ تھا
میں نے تو اُس گھڑی بھی ترا نام ہی لیا

جو کچھ بھی تھا حیات کے دامن میں گُلؔ نے دوست
تم پر نثار کر دیا سب تم کو دے دیا

غزل

مجھ سے ہو بدگمان یہ اچھا نہیں کیا
جلتا رہا ہے تیرے لیے عمر بھر دیا

آنکھوں میں اشک برف کی صُورت جمے رہے
آئے نہ حرف تجھ پہ لبوں کو بھی سی لیا

اُن کی طرف سے حکم تھا سو ہم نے عمر بھر
توڑا نہ روزہ ضبط کا بس خونِ دل پیا

مجھ کو کسی بھی چیز کا جب ہوش کچھ نہ تھا
میں نے تو اُس گھڑی بھی ترا نام ہی لیا

جو کچھ بھی تھا حیات کے دامن میں گُل نے دوست
تم پر نثار کر دیا سب تم کو دے دیا

غزل

مجھ سے ہو بدگمان یہ اچھا نہیں کیا
جلتا رہا ہے تیرے لیے عمر بھر دیا

آنکھوں میں اشک برف کی صُورت جمے رہے
آئے نہ حرف تجھ پہ لبوں کو بھی سی لیا

اُن کی طرف سے حکم تھا سو ہم نے عمر بھر
توڑا نہ روزہ ضبط کا بس خونِ دل پیا

مجھ کو کسی بھی چیز کا جب ہوش کچھ نہ تھا
میں نے تو اُس گھڑی بھی ترا نام ہی لیا

جو کچھ بھی تھا حیات کے دامن میں گُل نے دوست
تم پر نثار کر دیا سب تم کو دے دیا

غزل

مجھ سے ہو بدگمان یہ اچھا نہیں کیا
جلتا رہا ہے تیرے لیے عمر بھر دیا

آنکھوں میں اشک برف کی صُورت جمے رہے
آئے نہ حرف تجھ پہ لبوں کو بھی سی لیا

اُن کی طرف سے حکم تھا سو ہم نے عمر بھر
توڑا نہ روزہ ضبط کا بس خونِ دل پیا

مجھ کو کسی بھی چیز کا جب ہوش کچھ نہ تھا
میں نے تو اُس گھڑی بھی ترا نام ہی لیا

جو کچھ بھی تھا حیات کے دامن میں گُل نے دوست
تم پر نثار کر دیا سب تم کو دے دیا

غزل

مجھ سے ہو بدگمان یہ اچھا نہیں کیا
جلتا رہا ہے تیرے لیے عمر بھر دیا

آنکھوں میں اشک برف کی صُورت جمے رہے
آئے نہ حرف تجھ پہ لبوں کو بھی سی لیا

اُن کی طرف سے حکم تھا سو ہم نے عمر بھر
توڑا نہ روزہ ضبط کا بس خونِ دل پیا

مجھ کو کسی بھی چیز کا جب ہوش کچھ نہ تھا
میں نے تو اُس گھڑی بھی ترا نام ہی لیا

جو کچھ بھی تھا حیات کے دامن میں گُل نے دوست
تم پر نثار کر دیا سب تم کو دے دیا

غزل

مجھ سے ہو بدگمان یہ اچھا نہیں کیا
جلتا رہا ہے تیرے لیے عمر بھر دیا

آنکھوں میں اشک برف کی صُورت جمے رہے
آئے نہ حرف تجھ پہ لبوں کو بھی سی لیا

اُن کی طرف سے حکم تھا سو ہم نے عمر بھر
توڑا نہ روزہ ضبط کا بس خونِ دل پیا

مجھ کو کسی بھی چیز کا جب ہوش کچھ نہ تھا
میں نے تو اُس گھڑی بھی ترا نام ہی لیا

جو کچھ بھی تھا حیات کے دامن میں گُل نے دوست
تم پر نثار کر دیا سب تم کو دے دیا

قطعہ

کہاں اکیلے ہو اس درد میں یقیں کر لو
تمہی ہو آج بھی اَمبُر مجھے زمیں کر لو
میں اب بھی ساتھ ہوں تیرے نہیں اکیلے تم
یہ دل کا گھر مجھے دیدو مجھے مکیں کر لو

غزل

دعائیں کرتی رہی درد میرا مٹ جائے
کہاں یہ ہونا تھا پھوڑا ابھی تو پکنا تھا

غم زمانہ کی تلخی میں پھٹ گئی وہ بھی
قبائے درد کہ جس نے مجھی کو ڈھکنا تھا

ارادہ یہ تھا کہ رونا نہیں جو دیکھا تمہیں
مگر وہ ٹوٹ گیا جس بھرم کو رکھنا تھا

میں ایک عمر سے تنہا تھی اِس مسافت میں
سو زندگی کے سفر میں کبھی تو تھکنا تھا

پلٹ گیا ہے وہ کس واسطے بھلا اے گُل
ہمیں تو دریا سے اک گھونٹ پانی چکھنا تھا

غزل

مجھے تم نے کچھ بھی کہا نہیں
ابھی دل کا دریا بہا نہیں

دیکھا آزما کے ہر اک ستم
کوئی ایک حربہ بچا نہیں

تجھے کیا خبر کہ یہ غم ہے کیا
تُو نے درد کوئی سہا نہیں

تجھے کھو کے ہونٹوں کو سی لیا
میرے لب پہ کوئی دعا نہیں

میں ہوں جس اندھیرے میں گُل مکیں
وہاں چاند کیا ہو دیا نہیں

حسرت ناتمام

مجھے کرنے تھے کئی کرنے تھے کوئی اک بھی کام نہ کر سکی
مجھے بھرنے تھے کئی بھرنے تھے کوئی اک بھی جام نہ بھر سکی

مجھے کہنا تھا مجھے سننا تھا ہر روز تمہی سے ملنا تھا
ہر روز کا دعویٰ ایک طرف کوئی شام بھی نام نہ کر سکی

یہ جو پختگی کی کٹھالی ہے صدیوں میں کندن کرتی ہے
جب کندن میں نہ بن سکی تجھ پر الزام نہ دھر سکی

بڑی دور ہیں میری خواہشیں میری خوشیاں اور سبھی راحتیں
لینے کو نکلی تھی سبھی کسی اک کے دام نہ بھر سکی

غزل

کوئی اک کلی بھی کھلی نہیں
کہ خوشی ذرا بھی ملی نہیں

ہے فضا میں حبس کچھ اس طرح
کبھی ڈالی کوئی ہلی نہیں

رفوگر کو پا کے قریب بھی
یہ قبائے چاک سِلی نہیں

غزل

تجھ سے ہی منسوب تھے
ہاں تمھی محبوب تھے

روبرو تھے تم میرے
اور مجھے مطلوب تھے

تیری چاہت میں فنا
جو ہوئے مجذوب تھے

بجھ سکی نہ تشنگی
کس قدر مشروب تھے

زہر کھانے لگ پڑے
جو تمہیں مرغوب تھے

گُل جلا دو اب انہیں
جو لکھے مکتوب تھے

غزل

زندگی کے راستوں کا ہر نشاں جاتا رہا
ہر نیا دن ساتھ اپنے آندھیاں لاتا رہا

تجھ کو اپنی فکر تھی اپنے سوا سوچا نہ تھا
ہر گھڑی مجھ کو مگر تیرا خیال آتا رہا

دیکھ کر جس کو خوشی کی لہر گُل میں بھی اُٹھی
دیکھنے کو ابر تھا پَر آگ برساتا رہا

غزل

وہ انتظار تھا جس کا جواب آیا نہیں
رہی میں نیند سے محروم خواب آیا نہیں

ورق ورق سبھی چہروں کو میں رہی پڑھتی
مگر وہ صورتِ حُسنِ کتاب آیا

لو میں تو آج بھی دو دو سے تین پانچ کروں
مجھے تو عشق کا اب بھی حساب آیا نہیں

سبھی کے اپنے ستارے تھے چاند تھا اپنا
مگر جو میرا تھا وہ ماہتاب آیا نہیں

میں کیسے اُس کو کہوں گی نظر کا دھوکا ہے
بہت قریب ہے منزل سراب آیا نہیں

کیا تھا فون کہ میں چھت سے گر پڑی ہوں گُل
وہ اتنا سُن کے بھی مجھ تک جناب آیا نہیں

غزل

رخ پہ احباب کے دشمن کا جو چہرہ دیکھا
بجھ گئی آنکھ میری دل کو بھی ٹھہرا دیکھا

سن کے مظلوم کی چیخیں بھی نہ ٹھہرا کوئی
گوش رکھتے ہوئے ہر شخص کو بہرا دیکھا

بحرِ آتش میں جسے تیر کے آزاد کیا
اُس گلستان میں اب خوف کا پہرا دیکھا

اُس کی تعبیر کو کس درجہ بدل ڈالا ہے
وہ جو اک خواب تھا قائد نے سنہرا دیکھا

وہ جو خوشحالی کی باتیں تو کیا کرتا تھا
جم کے سردی میں مرا کُرتا اکہرا دیکھا

فاصلے ہیں کہ کسی طور بھی گھٹتے نہیں گلؔ
اس سے پہلے نہ کبھی وقت یوں ٹھہرا دیکھا

غزل

وہ جس کی مجھ کو طلب تھی مقام آیا نہیں
تری طرف سے وفا کا پیام آیا نہیں

ہزار باتیں ہوئیں شکوے بھی گلے بھی مگر
جو گفتگو کا تھا حاصل کلام آیا نہیں

کئی نگاہوں نے دیکھا مری طرف لیکن
میں منتظر رہی جس کی سلام آیا نہیں

ہر ایک بات پہ پوچھیں سہیلیاں مجھ سے
کسی کا نامہ کبھی تیرے نام آیا نہیں

جنہیں تھا دعویٰ بہت میری غمگساری کا
پڑا جو کام تو کوئی بھی کام آیا نہیں

جسے میں پی کے سبھی کلفتیں بُھلا دیتی
میرے نصیب میں اب تک وہ جام آیا نہیں

جلا کے بیٹھی ہوں گُل آس کے دیے لیکن
شب الم میں وہ ماہِ تمام آیا نہیں

غزل

عجب تنہائیوں نے شور ڈالا
کہاں ہے چاند کا رنگین ہالہ

بظاہر مطمئن آؤں نظر میں
مگر اندر ہے اک بے تاب نالہ

جسے پہنانے کا وعدہ کیا تھا
پڑا ہے میز پر اب تک وہ بالا

میں آنکھوں کی زباں سے بولتی ہوں
پڑا ہے جب سے ان ہونٹوں پہ تالا

بغاوت پہ نہ اکسانا مجھے تم
بڑی مشکل سے خود میں غم کو پالا

مناظر گُل سبھی دھندلا گئے ہیں
نظر کے سامنے ہے ایک جالا

غزل

یوں نہ پتھر کا بُت بنے ہوتے
زخم پہلے بھی گر سہے ہوتے

اجنبیت نہ درمیاں ہوتی
چند جملے اگر کہے ہوتے

دُور ہوتے نہ یوں کبھی ہم تم
ساتھ باہم اگر رہے ہوتے

جسم پتھر مرا نہ ہو جاتا
چند آنسو اگر بہے ہوتے

زندگی یوں نہ حبس بن جاتی
چاہتوں کے جو گُل کِھلے ہوتے

غزل

صاف آتے ہیں نظر دل کے جو موسم اُن کو
کیوں نظر آتی نہیں آنکھ یہ پُرنم اُن کو

آنکھ میں دید کی حسرت کا سُلگتا صحرا
بن گیا چشمہ یونہی دیکھا جو یکدم اُن کو

دعویٰ کرتے ہیں کہ رکھتے ہیں وہ دل پہلو میں
بوجھ لگتا ہے مگر پیار کا سنگم اُن کو

درگزر لاکھ کریں میری وفاؤں سے مگر
ایک دن کرنا پڑے گا یونہی سرخم اُن کو

میں نے ہر درد کو سمجھا ہے سدا اپنا درد
بَس اِسی واسطے آئے نہ کوئی غم اُن کو

مالی کہتے ہوئے اُن کو تو حیا آتی ہے
گُل کو جو بھول گئے یاد ہے شبنم اُن کو

غزل

ہزار طوفاں اُٹھے ہیں ہزار آندھی چلی
کتابِ دل پہ جو لکھا تھا مٹ سکا نہ کبھی

مرے خدا نے ہمیشہ میرا بھرم رکھا
گھٹا بھی جھوم کے اُٹھی بڑھی جو تشنہ لبی

دل و نظر کو دُکھانا ہی جس کی فطرت تھا
کسی کی آہ لگی چین پھر نہ پایا کبھی

ہمیں ستا کے جو اکثر رہا سکون کے ساتھ
مسل چکا ہے کوئی آج اُس کے دل کی کلی

ہوئی خراب طبیعت تو پوچھنے گُل کو
وہ ایک شخص نہ آیا کہ آئے لوگ سبھی

غزل

تیرے فراق میں پہلا جلال ہی نہ رہا
جھلس کے خاک ہوئے ہیں جمال ہی نہ رہا

کسی کے دل میں کسی کی نظر میں آ جاتا
ڈھلی جو عمر تو کوئی کمال ہی نہ رہا

فلک پہ پھیلی ہے اب اِس غضب کی تاریکی
کوئی ستارا تو کیا ہے ہلال ہی نہ رہا

تمہاری یاد یوں سینے میں ہو گئی خاموش
میرے لبوں پہ تمہارا سوال ہی نہ رہا

غم جہاں کو میں کرتی رہی شمار مگر
عجیب بات کہ اپنا خیال ہی نہ رہا

عجیب دورِ فراموش آ گیا اب کے
کسی سے ربط کسی کا بحال ہی نہ رہا

حیات شمع کی صورت پگھل رہی ہے یہاں
رگوں میں خون کا لیکن خیال ہی نہ رہا

کھلی ہے جب سے حقیقت جہاں کی گُل مجھ پر
کسی کی بات کا کوئی ملال ہی نہ رہا

غزل

درزی کی کترنوں کی طرح میر ابدن ہے
رنگین ہے جو خون سے وہ میرا کفن ہے

خوشبو یہ انوکھی سی رچی ہے جو فضا میں
چندن کی طرح سُلگی ہوئی میری اگن ہے

جگنو کی طرح مُٹھی میں بھرلوں میں ستارے
آکاش کو چھولوں میں یہی ایک لگن ہے

چہرے کو نہ پونچھ اپنے تو رومال سے اے گُلؔ
اس چہرے پہ محنت کے پسینے کی چبھن ہے

غزل

تیرے غم میں اٹ گئی تھی
میں جہاں سے کٹ گئی تھی

ہوئی خود میں ایسے گُم میں
تیری رہ سے ہٹ گئی تھی

غمِ ذات تھے کچھ اتنے
میں جوں بان بٹ گئی تھی

سبھی پاک صاف ٹھہرے
میں کہ چھج میں چھٹ گئی تھی

بنی شیرنی تھی گُل بھی

غزل

تیرے غم میں اٹ گئی تھی
میں جہاں سے کٹ گئی تھی

ہوئی خود میں ایسے گُم میں
تیری رہ سے ہٹ گئی تھی

غمِ ذات تھے کچھ اتنے
میں جوں بان بٹ گئی تھی

سبھی پاک صاف ٹھہرے
میں کہ چھج میں چھٹ گئی تھی

بنی شیرنی تھی گُلّ بھی
وہ کہ جب سے ڈٹ گئی تھی

قطعہ

تم نے گزارا جیون ہم نے گزارا خود کو

تم نے پکارا اُس کو ہم نے پکارا خود کو

تم کُل بنے ہو میرے میں جُز تمہارا ہوں نا!

تم کو ہے چاند کہنا ٹوٹا ستارا خود کو

غزل

یوں ہی ٹوٹ کر بھی جڑے رہے یہ بڑے نصیب کی بات ہے
نہ تلاش کر تو ادھر اُدھر یہ بڑے قریب کی بات ہے

میرا دل بھی زخموں سے چُور تھا اور تاپ تھا بڑے زور کا
جسے فکر میری ذرا نہ تھی اُسی اک حبیب کی بات ہے

بڑی تلخ سی ہیں حقیقتیں بنی خواب ہیں سبھی راحتیں
چڑھوں غم کی سُولی پہ ہر گھڑی یہی اک صلیب کی بات ہے

میری ہر خوشی کو جلا گیا میری ہستی کو جو مٹایا گیا
تجھے کیا خبر میرے بے خبر بھلا کس رقیب کی بات ہے

بڑے ابر آئے تھے جھوم کر کئی بحر و بر پہ برس گئے
وہ جو تشنہ تھے رہے تشنہ ہی کیا عجب نصیب کی بات ہے

غزل

داغ جو دل کے جلے آنچ سے ہولے ہولے
ہر طرف مجھ میں بھڑک اُٹھے ہیں شعلے شعلے

ہم پہ پابندی رہی کہنے کی سننے کی سدا
طے کیا سارا سفر خواب میں بولے بولے

درد کی ایک گھڑی بڑھتی گئی بڑھتی گئی
کٹ گئیں صدیاں یہاں گرہ کو کھولے کھولے

تیرِی آہٹ سے رُکی نبضِ دو عالَم لیکن
میرا دل خوف سے گھبرا کے ہے ڈولے ڈولے

ایک چڑیا تھی قفس میں کہ بڑی زخمی تھی
تیری حسرت میں پروں کو تھی جو کھولے کھولے

جل بجھا خاک ہوا محل جو خوابوں کا بنا
راکھ کا ڈھیر ہے اب تو جسے پھولے پھولے

غزل

اگرچہ ہم کو خبر ہو کہ زہر ہے شامل
وہ زہر بھی تیرے ہاتھوں سے ہنس کے پی لیں گے

اگرچہ حکم ہو جینا ہے ہم کو تیرے بغیر
ہزار موت بھی آجائے ہم تو جی لیں گے

تُمہارے ظُلم میں کوئی کمی نہ رہ جائے
ہم اپنے ضبط کی سوزن سے ہونٹ سی لیں گے

کبھی جو لوٹ کے آؤ تو اتنا دھیان رہے
کہ اصل زر ہی نہیں ساتھ سود بھی لیں گے

غزل

یہ زندگی کے گُلگُلے
کچھ بنتے پھٹتے آبلے

تعبیر اُلٹی ہی رہی
کچھ خواب دیکھے چلبُلے

پھر بھی رہے وہ اجنبی
رستے میں گر تھے کل مِلے

دامن میں اُن کو بھر لیا
جو گُل ملے تھے اَدھ کِھلے

آئی بہار گُلِ بدن
مہکی فضا غنچے کِھلے

غزل

پھر میری مرگ میری ہی بارات ہو گئی
جب اُن سے ایک پَل کو ملاقات ہو گئی

بیٹھے تھے ایک روز کئی گھنٹے سامنے
پھر بھی ہوئی نہ بات عجب بات ہو گئی

گو تجھ کو پالیا تھا ترا دل نہ پا سکی
میرے لیے تو جیت میری مات ہو گئی

سُورج کی آرزو میں جو گُل میں نکل پڑی
تقدیر میری میرے لیے رات ہو گئی

غزل

تھا سفر لمحوں کا صدیوں میں جو طے میں نے کیا
طے ہوا جب وہ سفر تو زہر کا پیالہ پیا

لمحہ لمحہ وقت کی بھٹی میں مَیں پکتی رہی
لوگ کہتے ہیں جیا ایسے جیا ویسے جیا

کیوں بتاؤں حال اپنا کیوں سناؤں داستاں
چاک داماں تھا میرا ایسے سِیا ویسے سِیا

دوستوں کے ساتھ اکثر دشمنوں کا نام ہے
نام ہونٹوں سے لیا ایسے لیا ویسے لیا

غزل

مثال تیری کہیں نہیں ہے
کہاں سے لاؤں جواب تیرا

اے میرے جیون کی ڈھلتی چھاؤں
کہاں میں ڈھونڈوں شباب تیرا

دریچے ماضی کے کھول کر اب
بدن میں جھانکے عذاب تیرا

بس اک نگاہِ کرم اِدھر بھی
یہ دل ہے سائل جناب تیرا

یہ کس نے چھیڑا ہے تار غم کو
کہ رو رہا ہے رُباب تیرا

کبھی جو آنکھوں میں بھر لیا تھا
پریشاں اب ہے وہ خواب تیرا

غزل

کہا ہے لیکن کیا نہیں ہے
یہ چاک اُلفت سِیا نہیں ہے

ہزار دل کو نصیحتیں کیں
بنا تمہارے جِیا نہیں ہے

میں جو ہوں سِیتی اُدھیڑتے ہو
کہ پھر سے کہہ دو سِیا نہیں ہے

نوازشیں ہیں فقط تمہاری
کہ درد میں نے لیا نہیں ہے

نہ مجھ پر الزام یہ لگانا
کہ زہر میں نے پیا نہیں ہے

غزل

دوسروں سے مت کہو کہ زخم پر مرہم رکھیں
کام اپنا آنسوؤں سے ہی چلانا چاہیئے

جب ملیں نہ لکڑیاں تو گرمی خوں سے فقط
مات دے کر موت کر خود کو بچانا چاہیئے

ایسے ہوتے ہیں مسیحا کچھ بھی کر سکتے نہیں
عرش پر ہے جو مکیں اُس کو بتانا چاہیئے

رُوح سے رستا ہے خوں اور جسم پر چابک کے زخم
یہ سراسر ظُلم ہے سب کو سکھانا چاہیئے

آدمیت کے جو دشمن ہیں اُنہیں جیسے بھی ہو
ڈال دیں ہتھیار وہ اتنا سنانا چاہیئے

لفظ ہوں پُرجوش لیکن پاؤں میں جُنبش نہ ہو
حوصلے کے ساتھ جسموں کو اُٹھانا چاہیئے

نام تحسین وستائش کی تمنا چھوڑ دو
کام کچھ ایسے بھی ہوں نیکی کمانا چاہیئے

اپنے حق کے واسطے یہ حکم بھی ہے بے بسو
حق کی خاطر برسرِ نیزہ بھی آنا چاہیئے

سر زمین پاک کو سمجھیں ہیں گُلّ جاگیر جو
اُن کے اب مدمقابل ہم کو آنا چاہیئے

غزل

حیرانی کا یہ موسم ہے لیکن میرا دل ہے تنہا
بے چینی کا یہ موسم ہے لیکن مرا دل ہے تنہا

پیڑوں کی جو سُوکھی تھیں وہ ہری ہوئی ہیں اب سب شاخیں
گُلبانی کا یہ موسم ہے لیکن میرا دل ہے تنہا

کالے بادل چھٹے تو سورج کی پھیلی ہے روشنی ہر سُو
تابانی کا یہ موسم ہے لیکن میرا دل ہے تنہا

غزل

تجھے یاد رکھا ہر ایک پَل
میں کبھی ہوئی نہیں بے عمل

تیرے نام اُس کو بھی کر دیا
تیرے بعد بھی جو کہی غزل

اگر ہو سکے تو پلٹ کے آ
بڑی غم زدہ ہوں میں آج کل

مجھے رنج و غم نے بنا دیا
تیرے بعد جلتا سلگتا تھل

میرے دل کو اتنا نہ درد دے
میری دھڑکنوں کو نہ یُوں کُچل

"میرے لیے کہو تم" شیریں گُل رانا

ٹک نمبر ۳ -

غزل

سنو سنو! جو میں آؤں تو جانے مت دینا
ملال ہجر کے چہرے پہ آنے مت دینا

ہُوا ہُوا جو ہُوا چھوڑ دو وہ باتیں سب
زباں پہ حرفِ شکایت بھی لانے مت دینا

کچھ اس طرح سے پناہوں میں مجھ کو لے لینا
کہ پھر جہاں کا کوئی غم بھی پانے مت دینا

بہت عزیز ہے کانٹوں کی دوستی مجھ کو
میری نظر کو کوئی پھول بھانے مت دینا

میرا گُمان جو ٹوٹا تو ٹوٹ جاؤں گی
یقیں حصار بنا ہے تو ڈھانے مت دینا

تمہیں جو اپنا میں سمجھوں تو پھر مرے رہنا
ذرا سی ٹھیس دلِ گُل کو کھانے مَت دینا

غزل

پتھر ہوں راستے سے اٹھا دیجیے مجھے
حائل ہوں راہ میں تو ہٹا دیجیے مجھے

لائی گئی ہوں ہاتھ کی ریکھا میں مَیں اگر
خط ہے اگر غلَط تو مِٹا دیجیے مجھے

مدت سے ایک در پہ کھڑی تھک گئی ہوں میں
للہ رحم کر کے بٹھا دیجیے مجھے

سایہ گہن اگر ہے میرا تُجھ پہ میرے چاند
جتنا بھی چاہیں خود سے گھٹا دیجیے مجھے

مٹی کے مول بِک گئی ہیروں کی کان بھی
دولت تھی اپنے ہاتھوں لُٹا دیجیے مجھے

ٹھہری حیات یوں کہ جمی برف ہوگئی
اک لمحہ زندگی کا کٹا دیجیے مجھے

سب تیرے جھوٹ میرے لیے سچ ہیں گُلؔ اگر
مخمور سی نظر سے پٹا دیجیے مجھے

غزل

ہر نفس رنج و غم سے گزرتی رہی
تیری اُمید پر میں سنورتی رہی

کیا بتاؤں غم ذات کی تلخیاں
روز جیتی رہی روز مرتی رہی

یاد کر کے گھڑی پَل تجھے بے وفا
اشک بہتے رہے آہیں بھرتی رہی

غم کے پتھر ہمیشہ برستے رہے
ٹوٹ کر ریزہ ریزہ بکھرتی رہی

اپنے خونِ جگر سے یہ بے تاب گُل
تیری تصویر میں رنگ بھرتی رہی

غزل

میرے ساتھ وہ جو نہ چل سکا
دُکھ آنسوؤں میں نہ ڈھل سکا
گو کہ بیج ڈالا تھا ضبط کا
وہ زمینِ دل میں نہ پھل سکا
میرے جسم و جان بھی جل گئے
تیرا پیار پھر بھی نہ جَل سکا
یوں سہل تھا کاٹنا عمر کا
اک لمحہ ایسا نہ ٹل سکا

غزل

ہم نے رسمِ وفا نبھائی ہے

بے وفائی کی بات مت کرنا

ساتھ دینا اگر نہ ہو ممکن

جگ ہنسائی کی بات مت کرنا

میں نے دیکھی ہے وسعت آکاش

کم نگاہی کی بات مت کرنا

اک توازن ہے ہر ادا میں گلؔ

کج ادائی کی بات مت کرنا

غزل

وہ آ گیا ہے مگر آ کے بھی وہ آیا نہیں

میری تلاش تھا وہ جس کو میں نے پایا نہیں

کئی عناصر دنیا کا نام ہے 'خوشیاں'

سکون دے جو سکے وہ دلیل 'مایا' نہیں

یہ کیسی ذات میں ٹھہری ہوئی ہے بے چینی

قرار کہتے ہیں جس کو ملا وہ سایہ نہیں

غزل

عشق کی طاقت ہے ظالم لوگ دیوانے بنے

عشق میں ہے بیقراری لوگ فررانے بنے

وار ڈالی مصلحت قربان جان و دل کیا

اُن کے قدموں میں سبھی رکھا تو نذرانے بنے

جانتے ہیں عشقِ شعلہ میں یقیناً موت ہے

فکر فردا فکر جاں سے بڑھ کے پروانے بنے

ہوش کچھ اپنا نہیں سود و زیاں سے بے نیاز

عشق کی مے پی کے عاشق ایسے مستانے بنے

غزل

لوگوں کی جھولیاں بھریں دامن مرا تہی

اپنی خوشی سے دیتے رہے تولتے رہے

جناب

مصروفیت ہے کیسی ذرا دیکھیئے تو آپ

اک در کو بند کرتے رہے کھولتے رہے

میرے لئے تو لفظوں کا بس کال ہی رہا

اپنی خوشی سے کہتے رہے بولتے رہے

جو سامنے تھی اُس سے غرض اُن کو تھی نہیں

ماضی کو یاد کر کے سدا پھولتے رہے

خود کو پکایا ہی نہیں جب تیز دھوپ میں

ہلکی ہوا سے بھی وہ سدا ڈولتے رہے

(کیوں) غزل

فلک جن کا مقدر تھا
ستارے ٹوٹتے کیوں ہیں؟
بنی آنکھیں بصارت کو
تو دھارے پھوڑتے کیوں ہیں؟
جنہیں دل میں بسایا تھا
وہ دل کو لوٹتے کیوں ہیں؟
نہیں جن کے بنا جینا
وہ بندھن ٹوٹتے کیوں ہیں؟
جو منزل کا اِشاہ ہوں
وہ رستے چھوٹتے کیوں ہیں؟

دل جو ٹوٹا ساتھ بھی نہ چھوٹا
نہ رونا نہ رونا تم

مل جائے گا جو کھویا ہے
نہ کھونا نہ کھونا تُم

کام ختم نہ جب تک ہولے
نہ سونا نہ سونا تُم

کانٹوں کی جو فصل بڑھائے
بیج نہ ایسا بونا تُم

چندن بن کے سلگو ہر دَم
دھواں دھواں نہ ہونا تُم

غزل

نہیں بتانا جو مجھ کو تو پھر بتاؤ نہ

میں جانتی ہوں تمہیں مجھ کو یوں بناؤ نہ

میں دھیرے دھیرے سلگنے کی ہو گئی عادی

لگا کے آگ یوں چندن ابھی جلاؤ نہ

یہ ہو تو سکتا ہے تم کو کبھی ضرورت ہو

کہ ایک پُھونک سے اس شمع کو بُجھاؤ نہ

غزل

تم کو کھو کر اِس طرح سے زندگی کرتی رہی

ایک پل جیتی رہی اور ایک پل مرتی رہی

میں تہی داماں رہی وہ رنگ و خوشبو لے گیا

پھر بھی میں نفرت کی دشمن پیار ہی کرتی رہی

میرا پروانہ میری اک آنچ سے جل مر گیا

اور میں بجھنے کے ڈر سے رات بھر جلتی رہی

اُس کا پندار وفا زخمی نہ ہو بس اس لیے

جیت کر میں اُس کے آگے آپ ہی ہرتی رہی

بے وفا تھا جو بھی تھا پر تھا وہ میرا انتخاب

اس لیے الزام اپنے آپ پر دھرتی رہی

غزل

نام دُشنام کا ہم نے ثناء رکھا ہے
زیست کے درد کو اک لطف بنا رکھا ہے

میری آنکھوں میں یہ پانی ہے تو آنسو نہ کہو
میں نے اک طاق میں دیپک سا جلا رکھا ہے

مجھے لفظوں کی کہانی کو سمجھنا ہی نہیں
تیری خاموشی کا اب نام صدا رکھا ہے

مجھے بس یاد ہو تم اور تو کچھ یاد نہیں
ایک مدت ہوئی خود کو بھی بھلا رکھا ہے

تیری باتوں سے رگوں میں جو اُترتا ہی گیا
زہر کا نام بھی ہم نے تو دوا رکھا ہے

ہر سزا مجھ کو ہے منظور اگر تو خوش ہے
تیری سرکار میں خود کو تو جھکا رکھا ہے

تم اسے رنگ کہو نور کہو یا خوشبو

نام اس جینے کا ہم نے توسزا رکھا ہے

تیری جانب سے جو اک خار ملا ہے مجھ کو

اس کو گلؔ جان کے زلفوں میں سجا رکھا ہے

غزل

ہمیں تنہا تھا گر جینا

تو تیرا سنگ کیوں پایا

ندی کے دو کنارے تھے

نہ ہم کو یاد یہ آیا

رفاقت ہم نے کی تجھ سے

ملا لیکن تیرا سایہ

اسے سب یاد ہے لیکن

نہ نام اپنا کہیں آیا

ہمیں بے رنگ ہونا تھا

تو تیرا رنگ کیوں پایا

غزل

زندگی کا درد ہی اچھا لگا

تیرا لہجہ سرد ہی اچھا لگا

منظروں سے تھی میں اکتائی ہوئی

اور نہ کوئی مرد ہی اچھا لگا

میرا جیون تھا بگولوں کا سفر

مجھ کو عکس گرد ہی اچھا لگا

زندگی اندر سے جھلسی تھی بہت

مجھ کو موسم سرد ہی اچھا لگا

تازہ گل سے تھی تمہاری دشمنی

میرا چہرہ زرد ہی اچھا لگا

غزل

کیا فائدہ ہے دل میں چھپا رکھنے کا اُلفت

جب تک کہ نہ لکھی ہو عبارت نہیں ہوتی

اس سر کے جھکانے میں اگر دل نہ ہو شامل

مرضی نہ ہو جس میں تو اجازت نہیں ہوتی

کچھ نعروں کے لگ جانے سے لیڈر نہیں بنتا

سمجھے نہ مسائل تو قیادت نہیں ہوتی

سجدوں سے نہ قعدوں سے نمازیں نہیں ہوتیں

جب دل میں صنم ہو تو عبادت نہیں ہوتی

جو حاصلِ منزل کی تمنا میں نہ تڑپے

جب تک کہ نہ خوں سینچے ریاضت نہیں ہوتی

جسموں میں بنی گردشِ خوں زندہ علامت

دنیا سے جو اُٹھتا ہے حرارت نہیں ہوتی

ہنسنے کو اُڑا دیتے ہیں لوگوں کا تمسخر

تکلیف ہو جس میں وہ شرارت نہیں ہوتی

جس کام کے کرنے میں ہو رسوائی سراسر

روکے جو غلط سے تو عداوت نہیں ہوتی

بارش میں اگر مہر بھی دِکھ جاتا ہے اے گلؔ

اُس کی بھی تو کرنوں میں حرارت نہیں ہوتی

افلاس سے دن رات اندھیرے ہوں جہاں پہ
خوشیوں کے وہاں دیپ جلائے نہیں جاتے

خودکشیوں سے جیون کو جہاں روندا گیا ہو
بن بین وہاں لاشے اٹھائے نہیں جاتے

انسان کی فطرت میں سکوں ڈال دیا ہے
ہر وقت ہی انسان ستائے نہیں جاتے

دشمن کا جو خطرہ تو راعی کو خبر ہو
ہر روز تو سردار جگائے نہیں جاتے

لوگوں کا سکوں چھینے وہ عبرت کا نشاں ہو
ہر روز تو قانون بنائے نہیں جاتے

اک بت کو بٹھایا ہے صنم خانے میں جب سے
یہ دل کے جو مندر ہیں وہ ڈھائے نہیں جاتے

جس بات سے رقت ہو اسے دور ہے کرنا
نا اہلی کے اسباب بتائے نہیں جاتے

قطعہ

گزر رہے ہیں تیرے موسموں کی شدت سے
جھلس کے رہ گئے غیظ و غضب کی حدّت سے
کبھی بھی شکوہ و فریاد نہ شکایت کی
بُھگت رہے ہیں تیری قید کو جو مُدّت سے

ٹریک نمبر ۳ ماہ صیام آیا رشیدہ گُل رانا

جی بھر کے سیر ہو لو مژدہ یہ عام آیا
ابرِ بہار برسا رحمت کا جام آیا
ماہِ صیام آیا ، ماہِ صیام آیا

بے چین دل دُھلے ہیں بے تاب روح نکھری
سنبھلی ہے بے قراری سُکھ کا پیام آیا
ماہِ صیام آیا ، ماہِ صیام آیا

کب سوز ہے صدا میں کب ہے اثر دُعا میں
بخشش کی بھیک پھر بھی لینے غُلام آیا
ماہِ صیام آیا ، ماہِ صیام آیا

عشرہ ہے وہ ~~جو تیرا~~ تیسرا جو اُس میں شب قدر ہے
جو چاہے اُس کو پالے انعام عام آیا
ماہِ صیام آیا ، ماہِ صیام آیا

نظم آمد بہار

درختوں سے پتے جو جھڑنے لگے
ہرے پات جتنے تھے سڑنے لگے

خزاں کا جو موسم یہاں آ گیا
شجر خوف سے آہیں بھرنے لگے

درختوں کے پتے لرزنے لگے
یہ سمجھا کہ جیون کو ہرنے لگے

نہ بچنے کی تدبیر جب تھی کوئی
تو گھبرا کے خود سے وہ لڑنے لگے

خدا کو بھلانے کا ہے یہ عذاب
وہ الزام اوروں پہ دھرنے لگے

جنہیں پیرھن پہ بڑا ناز تھا
وہ سردی میں اکثر ٹھٹھرنے لگے

خزاں نے کہا سب ہیں فانی یہاں
خدا سے وہ پھر خوب ڈرنے لگے

بے برگ و ثمر تھے بہاروں سے دُور
دعائیں خدا سے وہ کرنے لگے

کڑا وقت گزرا بہار آگئی
شجر کوکھ پھر اپنی بھرنے لگے

گلے پھر سے ملنے لگیں ڈالیاں
کہ باتیں وہ ہنس ہنس کے کرنے لگے

جو دیکھا چمن میں بہار آگئی
تو گانے خوشی سے وہ جھرنے لگے

ہر اک غُنچہ و گُل پہ آیا نکھار
جو غرقاب تھے وہ بھی تَرنے لگے

جنہیں پیرہن پہ بڑا ناز تھا
وہ سردی میں اکثر ٹھٹھرنے لگے

خزاں نے کہا سب ہیں فانی یہاں
خدا سے وہ پھر خوب ڈرنے لگے

بے برگ و ثمر تھے بہاروں سے دُور
دعائیں خدا سے وہ کرنے لگے

کڑا وقت گزرا بہار آگئی
شجر کوکھ پھر اپنی بھرنے لگے

گلے پھر سے ملنے لگیں ڈالیاں
کہ باتیں وہ ہنس ہنس کے کرنے لگے

جو دیکھا چمن میں بہار آگئی
تو گانے خوشی سے وہ جھرنے لگے

ہر اک غُنچہ و گُل پہ آیا نکھار
جو غرقاب تھے وہ بھی تَرنے لگے

وطن کا گِلہ اور میری ندامت

گنوایا جس کو سازش سے وہ میرا اپنا خطہ تھا
کٹایا جس کو ہاتھوں سے وہ میرا اپنا خطہ تھا

میں اپنی کج ادائی پر شرمساری میں رہتی ہوں
وطن سے، بے وفائی پر شرمساری میں رہتی ہوں

جسے بم سے اڑایا تھا وہ میرا اپنا خطہ تھا
دھواں جس کو بنایا تھا وہ میرا خطہ تھا

میں اپنی کج ادائی پر شرمساری میں رہتی ہوں
وطن سے بے وفائی پر شرمساری میں رہتی ہوں

وہ جس پر زلزلے آئے وہ میرا اپنا خطہ تھا
جو پانی میں بہا جائے وہ میرا اپنا خطہ تھا

میں اپنی کج ادائی پر شرمساری میں رہتی ہوں
وطن سے بے وفائی پر شرمساری میں رہتی ہوں

جسے تھا لُوٹ کے کھایا وہ میرا اپنا خطہ تھا
جہاں تھا خوف کا سایہ وہ میرا اپنا خطہ تھا

میں اپنی کج ادائی پر شرمساری میں رہتی ہوں
وطن سے بے وفائی پر شرمساری میں رہتی ہوں

جسے تھا خود سے لڑوایا وہ میرا اپنا خطہ تھا
جسے تھا خون رلوایا وہ میرا اپنا خطہ تھا

میں اپنی کج ادائی پر شرمساری میں رہتی ہوں
وطن سے بے وفائی پر شرمساری میں رہتی ہوں

(نظم) مدوجزر

مال و دولت کی جھلک

رات بھر محلوں میں بزم عیش سجتی ہے یہاں
روز ہوتی ہے وہاں اک جگمگاتی زندگی

چاولوں کے ڈھیر گندم کے لگے انبار ہیں
یہ وڈیروں کی ہے کھیتی لہلہاتی زندگی

لمبی کاریں اور موبائل اور فارن ٹوورز ہیں
مال والوں کی فقط ہے چہچہاتی زندگی

جرم اہلِ زر کا تھا مجرم بنا بے زر مگر
بند ہے زنداں میں اب اک پھڑپھڑاتی زندگی

بات اُن کی ہر بڑی پیسوں نے جادو ہے کیا
ریشمی سے پیرہن میں جھلملاتی زندگی

ہر جگہ اپنی لگے ہر دیس اپنا دیس ہو
گُل کہاں سے لاؤں ایسی مسکراتی زندگی

دوسرا رُخ

ایک کٹیا میں دیا وہ بھی ہے روغن سے تہی
ملگجے سے بوریے پر ٹمٹماتی زندگی

گندگی سے چُن رہے ہیں وہ غذا اپنے لیے
کیسے ہوتی ہے بسر واں بھنبھناتی زندگی

راستے مسدود کر کے بستیاں روندی گئیں
کون دیکھے بے بسوں کی سرسراتی زندگی

ختم ہے بصر و سماعت ماس تن پہ خشک ہے
کھانستی روتی ہوئی سی لڑکھڑاتی زندگی

پیٹ میں روٹی نہیں کمبل سوئٹر کیا ملے
سردیوں کے روز و شب میں کپکپاتی زندگی

جسم کے اعضاء تلک بیچے گئے بازار میں
کیا پڑیں مجبوریاں اے سُنسناتی زندگی

(وہ کون تھی)

ٹوٹی چپل تو پاؤں میں چھالے
جانے کس آس پر چلی ہوگی

پپڑیاں ہونٹوں پر پھٹے کپڑے
جانے کیا دل میں بے کلی ہوگی

جو ہوئی گھر کو چھوڑ کر بے گھر
جانے کس آگ میں جلی ہوگی

جانے کس گلستاں سے نکلی تھی
جانے کس شاخ کی کلی ہو گی

اُس کا ہر سانس ہو دھواں جیسے
جانے کس درد میں جلی ہوگی

جانے وہ کون تھا کہ جس کو گُل
ڈھونڈتی وہ گلی گلی ہو گی

آنکھیں

ملیں تھیں ہم سے غزال آنکھیں
وہ گل جو دیکھیں کمال آنکھیں

جو دیکھا اُن کو چُرا کے نظریں
وہ مثل شعلہ جَلال آنکھیں

تمام چہرہ حسیں تھا لیکن
وہ چہرے میں تھیں جمال آنکھیں

وہ خشمگیں ہو کے ہم کو دیکھا
کہاں سے لائیں مجال آنکھیں

حیا کے ڈورے نہیں تھے ہر گز
ڈرا رہی تھیں وہ لال آنکھیں

ہم اُن کے دل تک نہ پہنچ پائے
بنی ہوئی تھیں وہ ڈھال آنکھیں

ماں کو خط

ماں کے آنچل تلے
دن تھے اپنے بھلے
تتلیوں سے اُڑے
تیرے آنگن پَلے
جو بھی تجھ سے کہا
لے کے ہی وہ ٹلے
لا کے مجھ کو دیا
مہنگا تھا وہ بھلے
روئے تھے کتنا ہم
دور تجھ سے چلے
پھر بچھڑ ہی گئے
مل کے تیرے گلے

ہم بدل ہی گئے

سارے موسم ڈھلے

تیری یادوں سے گل

لاکھوں دیپک جلے

ایک محترم رائے

شاعری ایک الہامی کیفیت کا نام ہے کبھی تو مکمل فن پارے کا نزول ہوتا ہے اور اُس میں ترمیم کی رتی گنجائش نہیں ہوتی اور کبھی خام مال کی صورت میں مواد ملتا ہے۔ جسے غزل یا نظم کا رُوپ عطا کرنے کے لیے کئی راتیں جاگ کر گزارنی پڑتی ہیں اور کئی دن بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں گزر جاتے ہیں تب جا کر ایک مصرعہ تر کی صورت بنتی ہے۔

مجھے ایسی شاعری پسند ہے جس میں سادگی اور بے ساختگی ہو۔ اُن بڑے بڑے شعراء کے شعری مجموعے جن میں علمیت کا رعب، تراکیب کی بھرمار اور دقیق الفاظ کا انبوہ ہوتا ہے اُن کو پڑھتے ہوئے میرا دم گھٹنے لگتا ہے کیونکہ جذبوں سے عاری وہ صرف کھردرے الفاظ کا ذخیرہ ہوتے ہیں۔ شیریں گُل رانا کی شاعری پڑھتے ہوئے میں کہیں بھی رنجیدہ یا اُداس نہیں ہوا بلکہ ایک ہلکی سی مسرت نے ہر مقام پر مجھے سرشار کیے رکھا جیسے ہلکی بارش پودوں کو سرشار کرتی ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ یونان کی شاعرہ سیفو سے لے کر آج کی شیریں گل رانا تک کسی بھی دور میں اور کسی بھی معاشرہ میں عورت کو آرٹ اور ادب سیکھنے کے اُس طرح مواقع میسر آئے ہوں جس طرح مردوں کو آتے ہیں۔ میں ادب کو جنسی خانوں میں تقسیم کرنے کا قائل نہیں مگر برصغیر پاک و ہند میں یہ بات عورت

کے حق میں جاتی ہے کہ لڑکیاں گھروں میں بیٹھ کر اپنی فطری صلاحیتوں کے بل بوتے پر ادب تخلیق کرتی ہیں۔ اُن کے پاس رہنمائی حاصل کرنے اور ادبی بحثوں میں حصہ لینے کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لیے میرے خیال میں اُن کو زیادہ حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

شیریں گل رانا کی شاعری انتہائی سادہ اور معصوم جذبوں کی ترجمان ہے۔ اُن کے ہاں خیال آفرینی بھی ہے اور بے ساختہ پن بھی۔ یہ ایک ایسا گلدستہ ہے جس کے سب پھول خوبصورت ہیں۔ زندگی سے جُڑی ہوئی یہ شاعری انسانی جذبوں اور احساسات کی ترجمان ہے۔

میں اُنہیں تازہ شعری مجموعے ''میرے لیے کہو تُم'' کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

دُعا گو

حسن عباسی

شیریں گُل رانا کی شاعری

شعروسخن سے لگاؤ ذوقِ سلیم کا غماز ہے۔ خوش قسمت ہے وہ گُل جسے رنگ ونکہت بکھیرنے کے لیے موزوں فضائے چمن میسر ہو جس کے باعث وہ ایسی مہکتی یادیں چھوڑ جائے کہ آنے والی نسلیں بھی اُن کی مہکار سے معطر ہوتی رہیں۔ محترمہ شیریں گُل رانا صاحبہ مبارکباد کی مستحق ہیں کہ نونہالان قوم کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ گھریلو مصروفیات کے باوجود محافل شعروسخن کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ اُن کا یہ جذبہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے۔ اسی جذبے کے تحت وسائل سے مالا مال ادارے ڈی پی ایس میں علمی وادبی سرگرمیوں کے فروغ میں سرگرم رہتی ہیں۔

چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش ہر ذی روح کی طرح اِن کے کلام میں بھی جا بجا اظہار کی راہیں تلاش کر لیتی ہے۔ ان کا تیسرا شعری مجموعہ ''میرے لیے کہو تُم'' دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے کہ اپنے وطن اور اس کے لوگوں کو اُن کے خوابوں کی جنت نصیب ہو جائے جس میں ہر طرف خوشی اور خوشحالی کے نغمے گونجتے ہوں اور غم والم کا نشان تک نہ ملے۔ جہاں تک ان کے فنِ شعر گوئی کا تعلق تو میں یہی کہاں گا کہ فن کا کوئی نکتہ عروج نہیں ہوتا ہر شخص اپنے ظرف اور استطاعت کے مطابق

بلند پروازی میں محو ہوتا ہے۔ مسلسل ارتقائی منازل طے کرتے جانا ہی کسی فن کی زندگی ہے۔ امید واثق ہے ان کا حسنِ فن عوام و خواص کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوگا اور بہت سے لوگوں کو ان کی باتیں اپنے دل کی باتیں محسوس ہوں گی۔!

مزاج اہل چمن گر عزیز ہے تجھ کو
چراغ فن کی ہواؤں میں پاسبانی کر

شاہین بھٹی

0313-4079142

اعتراف

میرے نزدیک شاعری جملہ فنونِ لطیفہ میں اولیت کی حامل ہے کیونکہ یہ نہ صرف اظہار کا بہترین وسیلہ ہے بلکہ اپنے اندر جملہ فنونِ لطیفہ کا احاطہ بھی کیے ہوئے ہے۔ایک شاعر جب جذبات وخیالات اور تجربات ومشاہدات کو شاعری میں ڈھالتا ہے تو ہمارے سامنے نہ صرف زندگی کے مختلف رنگوں کو خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے بلکہ الفاظ وتراکیب کے دل کش استعمال سے ایسی ایسی جاذب نظر تصاویر بناتا ہے کہ کوئی مصور بھی کیا بنائے گا۔اسی طرح الفاظ کی ترتیب میں موجود موسیقی کی مسحور کن لہریں قاری کو اس طرح اپنی گرفت میں لیتی ہیں کہ کسی موسیقار کی ترتیب دی ہوئی موسیقی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تبارک تعالٰی نے اظہار کی خوبی سے نوازا ہے۔انہی خوش نصیبوں میں ایک خوش نصیب نام محترمہ شیریں گُل رانا کا ہے۔یہ امر میرے لیے باعث افتخار ہے کہ مجھے گزشتہ بارہ سال سے ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہے۔ہم دونوں ایک ہی تعلیمی ادارے میں تدریسی فرائض کا انجام دہی میں مصروف ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لاتے رہتے ہیں گویا مشق سخن اور چکی کی مشقت ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔کہتے ہیں کہ گھر کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔اور مجھے دیانت داری سے اس بات کا اعتراف ہے کہ محترمہ شیریں گُل ہر دل عزیز استاد اور خوبصورت شاعرہ ہیں۔جبکہ فن موسیقی سے ان کا والہانہ لگاؤ ان کی شخصیت کو مزید جاذب نظر اور خوبصورت بناتا ہے۔

شیریں گل رانا کا مجموعہ کلام ''میرے لیے کہو تم'' شعر و سخن کی وادی میں اُن کا تیسرا پڑاؤ ہے۔ اس سے پہلے وہ دو مجموعوں کے ذریعے اپنی شعری صلاحیتوں کو منوا چکی ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ بھی گزشتہ مجموعوں کی طرح اُن کے خوبصورت جذبات و احساسات، تلخ و شیریں تجربات اور عمیق مشاہدات کا آئینہ دار ہے۔ وہ اُن تخلیق کاروں میں سے ہیں جو شاعری کو زندگی سے ہم آمیز کرتے ہوئے ہمارے سامنے زندگی کے مختلف رنگوں کو دل کش انداز میں پیش کرنے پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں پھیلے زندگی کے مختلف رنگ کمالِ خوبصورتی سے اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ وہ اپنے جذبات و احساسات کے اظہار اور زندگی کی مختلف کیفیات کو سلیقے سے پیش کرنے کے ہنر سے بخوبی آگاہ ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ اُن کی خوبصورت غزلوں اور نظموں کا ایک ایسا مرقع ہے کہ جس کی رنگت اور خوشبو سب سے جدا اور منفرد ہے۔ آوازوں کے انبوہ میں اُن کی تر و تازہ اور شگفتہ آواز بآسانی پہچانی جا سکتی ہے۔ شیریں گل رانا نے اپنی زندگی کی تلخ و شیریں یادوں کو حقیقت پسندی اور کمال مہارت سے اس طرح شعری پیکر میں ڈھالا ہے کہ داد دیئے بغیر چارا نہیں۔ انہیں پڑھیئے اور ان کے اس حسین شعری گلدستے میں سجے گلہائے رنگ رنگ کی خوشبو سے مشامِ جاں کو معطر کیجیے۔ میں اس سفر میں ان کی مزید کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں۔

مخلص

ارشد شاہین

شیریں گفتار، شیریں مقال

ہم زندگی کے سفر میں بہت سے لوگوں سے ملتے ہیں۔ کچھ یاد کے دائرے مین سمٹتے ہی نہیں اور کچھ اپنے ایسے انمٹ نقش ثبت کر جاتے ہیں کہ ۔۔۔ان سے دوبارہ ملنے کو جی چاہتا ہے۔ شیریں گل رانا بھی ایسی ہی سحر انگیز شخصیت ہیں۔

شیریں سے میری پہلی ملاقات عمرانہ مشتاق کے گھر میں منعقد ایک محفل میلا دمیں ہوئی تھی۔ ان کی شیریں زبانی شیریں بیانی نے کچھ یوں اپنے حصار میں لیا کہ میں آج تک ان کی محبتوں کے حصار سے نکل نہیں پائی۔ میں انہیں بطور معلّمہ جانتی تھی۔ شاعرہ ہونے کا انکشاف بعد میں ہوا۔ وہ کب سے شاعری کر رہی ہیں، میں نہیں جانتی مگر ۔۔۔ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ شاعری زبردستی کا سودا نہیں۔ دل چاہنے کی بات نہیں۔ یہ تو واردات قلبی ہے۔ دل جو محسوس کرتا ہے اسے شاعری کے پیکر میں ڈھال دینا۔۔ کوئی آسان کام نہیں۔۔۔ شاعری کی نہیں جاتی۔۔۔ شاعری تو ہو جاتی ہے۔۔۔ شاعری کام نہیں شاعری ایک لگن ہے۔۔۔ جگر کا خون دے کر یہ پودے سینچے جاتے ہیں۔ ایک عورت کے لئے اپنے فرائض منصبی نبھاتے ہوئے تخلیقی کام کرنا کتنا مشکل ہے۔۔۔ میں جانتی ہوں۔۔۔ گاڑی کے دو پہیے ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر۔۔۔ ایک کو صرف گھومنا ہی نہیں دیگر۔۔ ذمہ داریوں سے بھی نبرد آزما ہونا ہوتا ہے۔ عورت کی تکمیل ۔۔۔اس کی پہچان۔۔۔اس کا مان۔۔۔ گھر ہوتا ہے۔۔۔

گھرداری کو سنبھالے رکھنا جاں جوکھوں کا کام ہے اور شیریں مقال،
شیریں گل یہ کام بخوبی کر رہی ہیں۔

شیریں دل پہ گزرنے والی کیفیات کو لفظوں میں سموتی ہیں اشعار میں ڈھالتی ہیں۔۔۔اور اپنی بات کہہ جاتی ہیں۔میرے پاس شیریں کی کوئی کتاب نہیں۔۔۔بس تمہاری یاد کا موسم ہے اور اس میں شیریں کی چند نظمیں غزلیں۔
شاعری میں شاعرہ کی شخصیت جھلکتی ہے۔ ان کا خوبصورت دل اک آرزو کرتا ہے۔

چاندنی کا اک نگر آباد ہونا چاہیے
ہر فکر کی قید سے آزاد ہونا چاہیے

شامل ہے جو عورت کی خاصیت ہے۔یعنی۔۔۔بچے شوہر۔۔۔گھرداری اور دیگر۔۔۔عورت ان سب میں گم ہو کر اپنا آپ بھول جاتی ہے۔اس کی اپنی ترجیحات اور کچھ نہیں۔۔۔شریں کہتی ہیں۔

تمام لوگوں کو گنتی رہی نہ خود کو گِنا
عجیب بات کہ اپنا خیال ہی نہ رہا

شیریں نے اپنی شاعری میں عورت کے ایثار و وفا کے جذبوں کی عکاسی کی ہے۔
اب ان کی نئی کتاب "میرے لیے کہو تم" منظر عام پر آرہی ہے۔۔ان کی خواہش اور فرمائش پر یہ چند سطریں پیش خدمت ہیں۔ کتاب آنے پر ۔۔۔میرا وعدہ رہا کہ تفصیلی ان پر کچھ لکھوں گی۔

تسنیم کوثر

شعر وسخن کی وادی پر خار میں سانسیں ادھار لے کر شیریں گُل تپتی دھوپ میں پا بجولاں نکل آئی ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ میرے لیے کہو تم، انہیں اپنی نوا صحرا سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ جنہیں قریب سمجھتی تھیں وہ قریب تھے ہی نہیں اور خواہشیں اس قدر ہیں کہ بڑھتی چلی جاتی ہیں کوئی نہیں ہے جو دیکھے دلِ زار کا ارماں ہونا۔ شیریں ارمانوں کی گٹھڑی کاندھے پر اٹھائے مائل بہ سفر ہیں۔ اُن کی سماعتیں اُن الفاظ کی منتظر ہیں جو اُن کی ذات کو زیب دیں۔ آخر شیریں کے لیے کہیں فرہاد ہونا چاہیے۔ دل بجھ گیا تو مناظر گُل بھی دھندلا گئے اور نشانِ منزل بھی پھیکا پڑ گیا۔ لیکن حوصلہ ایسا کہ بے جان جسم اُٹھا کر دوبارہ سفر کا آغاز کیا ہے۔ وہ یاس وامید کی کشمکش میں دوڑتی چلی جا رہی ہیں کہ شاید راستے میں وہ مل جائے جو اُن کے لیے کچھ کہہ دے۔

شاعری وجدانی اور ذاتی چیز ہے اس کی جامع اور مانع تعریف نہیں کی جا سکتی شیریں گُل محبت کی شاعرہ ہیں مگر محض گل و بلبل کے تذکرے کو شاعری نہیں سمجھتیں بلکہ شاعری میں اس سے زیادہ ٹھوس حقیقت کو دیکھنا چاہتی ہیں الفاظ کے چناؤ اور تراکیب کی رنگ آمیزی سے اپنی شاعری کو نکھارنے کا فن بھی جانتی ہیں زبان کی چاشنی اور جذبے کی حلاوت بھی ان کی شاعری کا حصہ ہے شیریں کا رنگ تغزل خود ساختہ ہے جو انشاء اللہ اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا اور ہر صاحب نظر سے تحسین حاصل کرے گا۔

ڈاکٹر شہناز مزمل

چیئر پرسن ادب سرائے 125 ایف بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور